خواتین کا اسلام

1032

بدھ یکم رجب 1444ھ مطابق 22 فروری 2023ء

Regd.No:MC1437

ماہِ رجب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القرآن

وسیع وعریض جنت کی ترغیب

اور (دوزخ کی) آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے اور جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

{سورۂ آلِ عمران}

الحدیث

جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک اونٹنی پیش کی۔ مہار آپ کے دستِ مبارک میں تھماتے ہوئے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس اونٹنی کے عوض خوشخبری سناتے ہوئے فرمایا: ''روز قیامت اِس کے بدلے میں تم کو سو اونٹنیاں ملیں گی۔'' {بخاری}

غیبت سے توبہ کا طریقہ:

سوال: آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ ہمارا (عورتوں کا) غیبت کے سوا کوئی مشغلہ نہیں۔ اس گناہ سے توبہ اور معافی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ کیوں کہ ہر کسی سے جا کر معافی مانگنا تو ممکن نہیں ہے؟ اگر ایک ایک شخص سے معافی مانگنا شروع کردیں تو لڑائی ہوجائے گی۔ براہِ کرم کوئی ایسا طریقہ بتادیجیے کہ اب تک ہم نے جو غیبتیں کی ہیں، وہ معاف ہوجائیں اور کسی سے لڑائی جھگڑا بھی نہ ہو۔ ہم بہت پریشان ہیں۔

(ام رمان۔ اٹک)

جواب: کسی مسلمان کا دوسرے بھائی یا بہن کی غیبت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

غیبت درحقیقت مسلمان کی آبرو ریزی ہے جسے حدیث میں بدترین سود فرمایا گیا ہے: وان اربی الربا عرض الرجل المسلم (المستدرک عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) اور قرآن مجید میں اسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر فرمایا چنانچہ ارشاد ہے:

''بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسی کو کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو، سو گھن آتی ہے تم کو اس سے.....'' (12/49)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی مسلمان بھائی کی غیبت کرنا ایسا گندا اور گھناؤنا کام ہے جیسے کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھائے، کیا اس کو کوئی انسان پسند کرے گا؟ بس سمجھ لو غیبت اس سے بھی زیادہ شنیع حرکت ہے۔ (تفسیر عثمانی 686)

ایسے سنگین گناہ سے ہر مسلمان کو حتی المقدور بچنا چاہیے، اگر کسی سے یہ گناہ صادر ہوجائے تو توبہ وتلافی میں تاخیر نہ کرے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ جس شخص کی غیبت کی ہے، اگر اسے اطلاع ہوگئی تو اس سے معافی مانگے۔ اگر صراحۃً غیبت کا نام لے کر معافی مانگنے میں فتنے کا اندیشہ ہو تو غیبت کا تذکرہ کیے بغیر مبہم انداز سے معافی مانگ لے، مثلاً یوں کہے: میں نے اب تک آپ کو جو کہا سنا، سب کچھ معاف کردیجیے، یا آپ کے حق میں مجھ سے جو کوتاہی ہوئی معاف کردیجیے اور ساتھ توبہ واستغفار بھی کرے۔ صاحب غیبت (جس کی غیبت کی ہے) کے لیے بھی مستحب یہ ہے کہ معافی مانگنے پر اسے معاف کردے۔

اور اگر صاحب غیبت کو اطلاع نہیں ہوئی تو اسے بتانے کی ضرورت نہیں بلکہ توبہ واستغفار سے ہی اس کی تلافی ہوجائے گی، اسی طرح اگر صاحب غیبت غائب ہوگیا اور اس تک رسائی ممکن نہیں یا دنیا سے رخصت ہوگیا تب بھی توبہ واستغفار، کثرت حسنات اور جن لوگوں کی غیبت کی ہے ان کو ایصال ثواب اور ان کے حق میں دعا سے اس گناہ کا تدارک کرے اور غیبت کی بجائے کسی مسلمان پر بہتان لگایا تو ضروری ہے کہ جن لوگوں کے سامنے بہتان تراشی کی ان کے سامنے آکر اپنی تکذیب کرے (کہ میں نے فلاں شخص پر جھوٹی تہمت لگائی تھی) وتفصیل المسئلۃ یلاحظ فی رد المحتار 410/6

نمازوں کا فدیہ:

سوال: کچھ رقم نفلی صدقہ کی نیت سے الگ جمع کرتی رہتی ہوں۔ اگر میں وصیت نامہ میں لکھ دوں کہ میری قضا شدہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ بھی اسی رقم سے ادا کیا جائے تو درست ہے؟ (ایضاً)

جواب: درست ہے، نمازوں اور روزوں کا فدیہ اس رقم سے ادا کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆
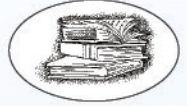
پہلی تحریر اور اپنا نام

آئینہ گفتار

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

کچھ بہنوں کے لیے شاید یہ بات حیران کن ہو کہ بندہ ناچیز کی پہلی باقاعدہ تحریر بطور ایک اخباری کالم کے شائع ہوئی تھی۔ سنہ تھا شاید ۲۰۰۵ء!

پہلی تحریر کی اشاعت کی گھڑی کیسی نشاط انگیز اور سرور افزا ہوتی ہے، یہ قلم قبیلہ بخوبی جانتا ہے، اور پھر جب لکھنے والے کی پہلی ہی تحریر قابلِ اشاعت ٹھہرے تو اس کی حیرت اور مسرت کا کیا ٹھکانا ہو؟ سو اس خوشی کا بیان الفاظ میں ممکن ہی نہیں۔ ہاں بس اتنا جان لیجیے کہ ہمارے لیے اس دن اخبار نہیں آیا تھا بلکہ گویا بادِ صبا چمن سے نویدِ شگفت لائی تھی۔

اپنی پہلی ہی تحریر کی اشاعت جو بس یونہی رواروی میں لکھی گئی تھی، ہمارے لیے جیسے ایک نئی دنیا کی دریافت تھی۔ یہ خود اپنا آپ کھوجنے جیسا تھا۔ اپنے شعوری وجود کے ایک حصے کی دریافت، جس نے ہمیں مسحور کردیا۔

اوّل اوّل تو اس ''رزم گاہِ عشق'' میں بہت سہج سہج کے قدم رکھا گیا تھا، چھپنے کا نشہ مگر پھر کچھ ایسا سر چڑھ کے بولا کہ رخشِ خامہ صبا خرام ہوگیا۔ جیسے کسی جوشیلے نوعمر کے ہاتھ نئی نئی بندوق لگ جائے تو وہ جوش میں دھڑا دھڑ فائر کھول کر ایک تباہی مچا دیتا ہے، ہمارے ہاتھ میں بھی نیا نیا قلم کیا آیا، ہم نے یکدم اخبارات ورسائل کی طرف رخ کر کے قلمی فائر کھول دیا اور دھڑا دھڑ تحریریں داغنے لگے (اور اب حیرت ہوتی ہے کہ تواتر کے ساتھ وہ سب شائع بھی ہونے لگیں)۔

دو تین ہی برسوں میں شائع شدہ تحریروں کا ایک انبار جمع ہوگیا۔

ہمیں یاد ہے کہ ان منقش صفحات کو ہم قیمتی جواہر کی طرح سینت سینت کے رکھتے تھے، جن میں ہمارا نام چھپا ہوتا تھا۔

یہ وہ ابتدائی دور تھا کہ تحریر کے دل پر ثبت اپنا نام کسی جڑاؤ گلوبند میں جڑے زمرد کی طرح کچھ ایسا دلکش ودلنواز، کندن کی طرح دمکتا، مشک سا مہکتا اور ماہتاب سے زیادہ روشنی دیتا ہوا لگتا کہ دیکھ دیکھ کے دل بھرتا ہی نہ تھا، ٹکٹکی باندھے بیٹھے بس دیکھتے رہو۔

وقت کی بساط پر مگر جب یہ ''پیادہ'' کچھ آگے بڑھا تو آہستہ آہستہ چھپنے کا خمار ختم ہونے لگا۔ لکھنے میں بھی کچھ ٹھہراؤ آنے لگا۔

پھر ایک دن بڑی عجیب بات ہوئی۔

تحریروں کا وہ پلندہ جو کسی قیمتی خزانے کی طرح سنبھالا گیا تھا اور جو مصنف کو بہت پیارا تھا، برسوں بعد کتابوں کی الماری ترتیب دیتے ہوئے اچانک سامنے آگیا۔

مسکراتے ہوئے بڑے شوق سے ہم نے وہ مسودہ اٹھایا، پیار سے اُس پر ہاتھ پھیرا، اور کھڑے کھڑے یونہی ورق گردانی کرنے لگے۔

اور تب اگلے کچھ ہی لمحوں میں ہمیں ایک عجیب سا احساس ہوا......!

وہ تحریریں کہ جن کا حسن کبھی ہمیں رشکِ قمر لگتا تھا، آج ان کا چہرہ بہت پھیکا پھیکا بدرنگ سا محسوس ہوا۔ وہ طرزِ بیان جو کبھی ہمارے قارئین کو اور خود ہمیں بہت پسند تھا، اب کچھ عامیانہ سا لگتا تھا۔ اعداد وشمار اور معلومات سے بوجھل تحریریں اتنی عام سی لگیں کہ کچھ ہی دیر میں خود پر حیرت ہونے لگی کہ بھلا یہ تحریریں بھی سینت سینت کے رکھے جانے کے قابل تھیں......؟!

خیر قصہ مختصر؛ اس شام ان تحریروں کا برسوں کا اسٹیٹس بدل گیا۔ بے چاری کتابوں کی الماری سے منتقل ہو کر ہمیشہ کے لیے اسٹور کی ردی کی نذر ہوگئیں۔

تمہید طویل ہوگئی اور صفحہ ختم ہوا۔ ہمارا مقصود اس تمہید سے بس دو باتیں ہے، تفصیل جس کی ان شاء اللہ تعالیٰ اگلے ہفتے۔

والسلام مدیر مسؤل محمد فیصل شہزاد

بدن کو ہم نے پہن کر پرانا کردیا ہے!

اسی قبا میں بسر اک زمانہ کردیا ہے
بدن کو ہم نے پہن کر پرانا کردیا ہے
یہ دشتِ دل ہے یہاں کوئی بھی نہیں آتا
سو ہم نے دفن یہیں سب خزانہ کردیا ہے
اُفق کے پار یہ سورج سے جا ملے شاید
چراغ آبِ رواں پر روانہ کردیا ہے
جو ایک عمر سے اک دوسرے کی زَد پر تھے
انھیں مفاد نے شانہ بہ شانہ کردیا ہے
جہانِ رزق کے ان پست قامتوں نے یہاں
مزاجِ عشق کو بھی عامیانہ کردیا ہے
شکار اور شکاری بدل گئے ہیں حضور!
سبکتگیں کو ہرن نے نشانہ کردیا ہے
سعودؔ اپنی شہنشاہی سے ہی وقت نہیں
سو اِس فقیر نے کوئی بہانہ کردیا ہے

سعود عثمانی

مدیراعلیٰ: مفتی فیصل احمد | مدیر: انجینئر مولانا محمد افضل احمد خان | مدیر مسؤل: محمد فیصل شہزاد

''خواتین کا اسلام'' دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983 ای میل: fayshah7@yahoo.com

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 1200 روپے، بیرون ملک ایک میگزین 18000 روپے، دو میگزین 20000 روپے

مچھلی

ام محمد سلمان

سردیاں آتی ہیں تو ڈھیر ساری یادیں بھی در آتی ہیں اور دل کے دریچے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ اِن دریچوں میں جگہ جگہ یادوں کے دیپ جلتے ہیں۔ کہیں برسات ہوتی ہے، کہیں تیز چمکیلی دھوپ نکلتی ہے تو کہیں دھند سے اَٹے راستے ہوتے ہیں۔ کہیں گرم تیل میں تلتی مچھلی کی اشتہا انگیز خوشبو ہوتی ہے، کہیں چھت پر جا بجا پھیلے مالٹے اور مونگ پھلیوں کے چھلکے ہوتے ہیں۔ انگیٹھی سے اٹھتا دھواں الائچی والے قہوے کی مہک، بھوبھل (چولھے کی گرم راکھ جس میں آگ کی چنگاریاں ہوتی ہیں) میں بھنی شکر قندی، تلوں کی پاپڑی اور مٹھی بھر چلغوزے۔ اماں کی اون سلائیاں۔ چھوٹے بہن بھائیوں کی رضائی اور گدوں پر قلابازیاں، اور نہ جانے کیا کچھ ہوتا ہے!

اپنے گاؤں کا موسم بھی بڑا مست تھا۔ کبھی نیلے آسمان پر اڑتے سفید بادل اور چمکتا سورج ہوتا تو کبھی ایسے کہر بار دن ہوتے کہ سورج کے درشن کو ہفتوں ترس جاتے۔

ایسے موسم میں چار چاند لگانے کو ہمارے ابا جی ہوتے......!

ابا میاں کو شکار کا بہت شوق تھا۔ گرمیوں میں تو یہ شوق ذرا دھیما ہوتا، مگر سردیوں میں اپنے عروج پر پہنچ جاتا۔ سہ پہر کے وقت آئے دن دُکان بند کر کے مچھلی کا شکار کرنے نکل پڑتے۔ پہلے پہل تو سائیکل پر جایا کرتے تھے پھر موٹر سائیکل خرید لی۔ مفلر کانوں کے گرد لپیٹا، کوٹ پہنا، مچھلی کی ڈور والا تھیلا اٹھایا اور یہ جا وہ جا۔

ابا میاں جتنا مچھلی کے شکار کا شوق رکھتے تھے، اتنا ہی مچھلی کھانے کا بھی شوق رکھتے تھے۔ پتا نہیں چلتا تھا کہ کون سا شوق حاوی ہے؟! اکثر تو کالو مچھیرا ابا میاں کی دکان پر ہی مچھلی دے جاتا مگر اس کے بعد بھی وہ اگلے دن پھر شکار کی تیاریوں میں مصروف ہوتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ رات سات آٹھ بجے تک ان کی واپسی ہوتی۔ میں بآواز بلند شکار نہ ملنے کی دعائیں کر رہی ہوتی کہ اللہ میاں! ابا جی کا شکار نہ لگے، ورنہ گھر میں اتنا کام پھیل جائے گا۔ اماں میری بات پر ہنستی تھیں اور کہتیں، اس لڑکی کو دیکھو ذرا، مچھلی کھانے کا شوق بھی اسی کو ہے اور نہ ملنے کی دعائیں بھی سب سے زیادہ یہی کرتی ہے۔

مگر ابا میاں بھی ناں، ان کی شکار ملنے کی دعا میں شاید میری دعا سے زیادہ طاقت ہوتی تھی، سو گھر میں داخل ہوتے ہی زوردار سلام کرتے اور شور مچا دیتے۔ تھیلا بیچ صحن میں الٹ کر کہتے، دیکھو بھئی دیکھو، آج ماشااللہ کیا مچھلی لگی ہے۔ بھئی واہ کیا دانہ پکڑا ہے۔ بیٹا! ذرا ترازو لانا، وزن تو کروں۔

وزن تو ایک آدھ ہی کا کلو ڈیڑھ ہوتا، ورنہ زیادہ تر تین پاؤ آدھ کلو کی مچھلیاں ہوتیں۔ گلّے میں سارے باٹ پڑے رہتے تھے۔ ابا ترازو ہاتھ میں اٹھائے ساتھ ساتھ ہمیں بھی وزن تولنا سکھاتے رہتے۔

''یہ دیکھو بیٹا! یہ پاؤ ہو گیا، یہ باٹ ملا کے ڈیڑھ پاؤ، یہ سیر، یہ سوا سیر۔''

چلو بھئی وزن تل گیا تو اب بٹیا کی شامت آئی۔

''بیٹی! ذرا چھری لاؤ۔'' چار پانچ طرح کی تو چھریاں ہوتی تھیں، پھر بگدا، پرات، چھننا بھی منگوائے جاتے۔

مُڈھی پہ مچھلی رکھ کے سر کاٹا جاتا، چھلکے اتارے جاتے، پھر اندر سے پیٹ چاک کر کے آلائشیں صاف ہوتیں، پھر دھو دھلا کے میرے حوالے کر دیتے۔

اس تھوڑی سی دیر میں نجانے کتنی دفعہ مجھے اٹھک بیٹھک کروا دیتے۔ ابھی ایک چیز لا کے پکڑاتی نہیں تھی کہ دوسری کا تقاضا کر دیتے۔ ایسے میں چھوٹا بھائی عمران بھی میرے ساتھ ساتھ چکر کاٹ رہا ہوتا تھا، پھر ابا کہتے:

''چلو جلدی سے چولھے میں آگ جلاؤ۔ اچھا چلو سلنڈر پہ پکا لو۔ ہاں بیٹے! پیاز کا خیال رکھنا جلنے نہ پائے، ورنہ سارے سالن کا ذائقہ بگڑ جائے گا۔''

اتنی سردی میں سِل بچھا کے پہلے تو لہسن، ہلدی اور خشک دھنیے کا مسالا پیسنا پڑتا۔

''بیٹا! جلدی سے پکا کے لے آؤ۔ آج روٹی میں اسی سے کھاؤں گا۔''

اور یہ آج ہر تیسرے چوتھے دن بعد ہوتی تھی۔ ابا میاں کو یاد ہی نہیں رہتا تھا کہ چار دن پہلے بھی رات کو ہی شکار بھون کے کھایا تھا اور آج پھر وہی تقاضا۔ ویسے ابا میاں کی ہی کیا بات، میں تو خود بڑے شوق سے مچھلی کھاتی تھی۔ کبھی کبھی تو وہ چھوٹی والی مچھلیاں بھی لاتے تھے، جنھیں کوئلوں کی دھیمی آنچ پہ بھون کے کھانے میں بڑا ہی مزہ آتا تھا۔ کبھی مچھلی کو مسالا لگا کے چھینکے میں رکھ دیتے اور دوسرے دن اماں دوپہر کے کھانے میں تل لیتیں۔ سردی کے موسم میں بغیر ریفریجریٹر کے بھی مچھلی خراب نہیں ہوتی تھی۔

ارے بھئی ٹھنڈ ہی اتنی پڑتی تھی، اور ویسے بھی اس زمانے میں جس کے گھر میں فریج ہوتا اسے تو سب خلائی مخلوق سمجھتے تھے۔ مجھے تو کافی ساری مچھلیوں کے نام بھی یاد

ہو گئے تھے۔ سنگاڑا، سول، کھگا، ملی، بام، رہو، ٹراؤٹ اور پامفلیٹ، اور نجانے کون کون سی۔

ابا میاں کام کے ساتھ ساتھ کمنٹری بھی کرتے جاتے تھے۔ آج ہم کتنے دوست تھے، کیسے پہنچے، وہاں کیا کیا ہوا؟ کتنے شکار ہاتھ سے نکلے، کون کون سی مچھلی جل دے گئی وغیرہ وغیرہ۔ اِس وقت اُن کا جوش دیکھنے والا ہوتا تھا اور مجھے ہر بات پر ''جی ابا جی، اچھا ابا جی، نہیں ابا جی، ہاں ابا جی'' کہنا گویا لازم ہوتا، ورنہ اِس بات پر ڈانٹ پڑتی کہ میرا دھیان کہاں ہے؟ (جو کہ اکثر کہانی کی کتاب کی طرف ہوتا تھا!)

کمنٹری کے ساتھ ساتھ مچھلی کے فائدے بھی گنواتے رہتے۔

''بیٹا! سردی میں جسم کو گرم رکھتی ہے مچھلی اور جلد بھی سلامت رہتی ہے، پھٹتی نہیں۔ قوت مدافعت کو بڑھاتی ہے، بندہ بیمار نہیں ہوتا، ہڈیوں کو مضبوط کرتی ہے اور خون کی روانی بھی اچھی رہتی ہے جسم میں۔''

اور ہماری بالی عمریا کہتی:

''ابا میاں! اتنے فائدے نہ ہوں تو بھی ہم نے مچھلی کھانی ہی کھانی ہے۔''

کیا کریں کہ یہ شوق ورثے میں ملا تھا۔ اپنی زندگی کے آخری دنوں تک بھی ابا مچھلی کھانے کے شوقین رہے، اور یہ شاید اسی کا اثر تھا کہ اتنی عمر ہو جانے کے باوجود بھی ان کے چہرے سے کہیں بڑھاپے کے آثار ظاہر نہیں ہوتے تھے۔

اب بھی سردیاں آتی ہیں۔ بارشیں بھی ہوتی ہیں۔ دھند بھی چاروں طرف پھیل جاتی ہے مگر وہ یادیں ماضی کا قصہ بن گئیں۔ اُس سنہری دور کا بانکپن آج بھی بصارتوں میں گردش کرتا، سماعتوں میں رَس گھولتا ہے۔ یوں لگتا ہے ابھی بھی کسی وقت ابا جی کا فون آئے گا اور کہیں گے:

''بیٹا! تمھارے لیے مچھلی خرید کے رکھ لی ہے، سلمان کو بھیج دینا وہ لے جائے گا۔''

مگر اب وہ کہاں رہے؟ وہ تو دور بہت دور اپنے رب کے پاس چلے گئے۔ ماں باپ زندگی کا وہ عظیم سرمایہ ہوتے ہیں جو ساتھ نہ ہو کر بھی ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔ یادوں میں رہتے ہیں، خوابوں میں بستے ہیں اور دل کو گرماتے ہیں۔ کبھی آنسوؤں کے راستے بہتے ہیں تو کبھی خوشیوں کے پھول بن کر کھلتے ہیں۔ دل ہمیشہ ان کے لیے دعا گو رہتا ہے ہمیشہ ہمیشہ ہمیشہ......!

☆☆☆

بنت سطور ۔ وادی چھچھ

سب کا شکریہ

کافی عرصے سے ارادہ تھا کہ یہ جو ہمارے لیے اتنا پیارا پیارا لکھنے والے ہیں۔ ان کو دل کھول کر سراہوں۔ اس سلسلے میں پہلے بھی ایک خط ارسال کیا، لیکن شاید وہ آپ کو ملا نہیں۔ خیر کچھ عرصہ قبل قرأت گلستان آپی کی کچھ تحریریں جو متواتر شائع ہوئیں، پڑھیں تو تبصرہ لکھنے کے لیے مچل گئے۔ ان کی تحریر 'غفلت میں رکھا تم کو' نے ہمیں عجیب مزا دیا۔ ادبی ذوق کی خاطر خواہ تسکین ہوئی۔ سچ کہیں تو اس ذوق کی تسکین قرأت گلستان، صدیقی سسٹرز اور ایک اعتبار سے حافظ عبدالرزاق صاحب کو پڑھ کر ہوتی ہے۔ سچی بات ہے ''الھکم التکاثر'' کو تو ترجمہ تفسیر کے ساتھ ہم نے بھی پڑھا تھا، مگر اس کا مطلب آج جیسے سمجھ میں آیا، پہلے کبھی نہیں آیا۔ باقی رہی صدیقی سسٹرز کی بات تو جہاں تک ان کی طبع زاد کہانیوں کی بات ہے (قطع نظر تراجم کے) تو ہمارے خیال میں معاشرے کی دکھتی رگ پر لکھنا وہ بھی طنز و مزاح کے ساتھ وہ ان بہنوں کی ایسی خوبی ہے جس میں ان کا ثانی کم ہی ملے گا۔ پلاٹ، مکالمے، طنز و مزاح نیز ہر چیز اپنی مثال آپ ہوتی ہے۔ پڑھتے ہوئے ایسا لگتا ہے گویا الفاظ دست بستہ کھڑے ہوں۔ رہی بات حافظ صاحب کی تو ماشاءاللہ ان کا قلم بھی پر بہار ہے۔ ان کا شعری ذوق تو تحریر کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ تحریر میں برمحل اشعار کا استعمال کرنے کا ذوق بہت بھاتا ہے۔ کبھی ہماری ایک لکھاری بہن ہوتی تھیں۔ اُن کی تحریروں میں یہ انداز چھلکتا تھا۔ کیا بھلا سا نام تھا اُن کا۔ ہاں ڈاکٹر سارہ الیاس خان ہم اس نام (سارہ) پر بچپن سے فدا ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں صحت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھیں۔ ڈاکٹر صاحبہ ہمیں اپنے اوائل مطالعے کے زمانے سے بہت پسند ہیں۔ ساجدہ آپی کا ناول پڑھنا زیادہ اچھا لگتا ہے۔ ان کے قلم کی چاشنی ان کے ناول 'یو کے ٹوپی کے' اور 'زندگی اک تشنگی' پڑھ کر معلوم ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں عائشہ غضنفر آپی کی تحریر کا پختہ انداز بھی دل کو چھوتا ہے۔ منظر نگاری ان کا بہترین وصف ہے۔ بہت عام سے منظر کو آپی جان بہت خاص بنا کر پیش کرتی ہیں۔ اور یہ خولہ غضنفر انھیں تو ہم باجی سمجھے تھے۔ ب معلوم ہوتا ہے کہ محترمہ مدظلہا عائشہ آپی سے چھوٹی ہیں اور یہی کوئی ہماری ہم عمر۔ کیا ہم صحیح سمجھے ہیں؟ ویسے ہم خواتین کا اسلام کے تقریباً ہم عمر ہیں۔ بنت درخواستی کا تبصرہ پڑھنا بھی بہت اچھا لگتا ہے۔ ماشاءاللہ ان کو تبصرے کا ملکہ خوب عطا ہوا ہے۔

سب لکھنے والے خصوصاً اُن کو جن کا ذکر کیا بہت شکریہ، جزاکم اللہ خیرا! اور مدیر بھائی آپ کو سب سے زیادہ جزاک اللہ خیرا کثیرا، آپ ہر تحریر ہر خط کو سنوار کر شائع کرتے ہیں۔ ہم بس بدلے میں آپ کو دعائیں ہی دے سکتے ہیں۔ اب تک کتنی تحریروں پر میرا نام شائع ہوا۔ بلاشبہ ان سے آپ کی محنت جھلکتی ہے، بہت شکریہ۔ ہمیشہ خوش رہیں۔ اللہ رب العزت صحت و سلامتی عافیت آپ کو نصیب فرمائے۔

☆☆☆

"السلام علیکم۔" تانیہ نے مسکراتے ہوئے عمر کا استقبال کیا۔

"وعلیکم السلام! سوری میں لیٹ ہوگیا، آفس میں آج کچھ کام زیادہ تھا۔ انکل آنٹی بھی انتظار کر رہے ہوں گے، سوسوری!"

6

شہد دل کی رات

عائشہ خان

عمر نے اندر داخل ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں، آپ فریش ہوجائیں تو میں کھانا لگاتی ہوں۔"

تانیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس پانچ منٹ میں آتا ہوں۔"

عمر یہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

"آپی! خوشبو تو بہت زبردست آ رہی ہے۔ پورا گھر بریانی کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔"

آئمہ فوڈ انسپکٹر کی طرح ساری ڈشز کو کھوجتی پھر رہی تھی۔

"ڈیڈ کی فرمائش تھی کہ بریانی واقعی بریانی ہونی چاہیے۔"

تانیہ نے ہنس کر کہا۔

"اِس کا مطلب ہے کہ آج آپ فادرز ڈے کے موڈ میں ہیں، پھر تو آج بس مرچیں ہی کھانے کو ملیں گی۔" آئمہ بھی ہنس کر بولی۔

"آئمہ تم پلیز دسترخوان لگادو۔ میں ذرا سلاد بنالوں۔" تانیہ نے آئمہ سے کہا۔

"جی آپی......!" آئمہ اٹھ گئی۔

عمر کے آتے ساتھ ہی کھانا لگادیا گیا۔

بہترین بمبئی بریانی کے ساتھ چکن ڈرم اسٹکس، مچھلی کے کباب، مٹن قورمہ اور لزانیہ دسترخوان کی رونق بڑھا رہے تھے۔ سب بہت رغبت سے کھانے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

آج اس خصوصی اہتمام کی وجہ وہ پراجیکٹس تھے، جو عمر کو اپنی فرم کی طرف سے بحیثیت ایگزیکٹو پروجیکٹ انجینئر کے آفر کیے گئے تھے، اور جو عمر کی فرم نے عمر کی بہترین پرفارمینس کو دیکھتے ہوئے اسے سونپے تھے۔

یہ پراجیکٹس اس کے پروفیشنل کیریئر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے تھے، انھیں سپروائز کرنا عمر کے لیے بہت اعزاز کی بات تھی۔

جہانگیر بے حد خوش نظر آ رہے تھے اور عمر سے ان پراجیکٹس کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔

☆......☆

"اور بیٹا! کیا سکیجوئل بنا پھر تمھارا؟" جہانگیر نے پوچھا۔

اگلے مہینے تک عمر کو انہی پروجیکٹس کے سلسلے میں کچھ سائٹس کا وزٹ کرنا تھا۔

"انکل! اگلے مہینے ان شاء اللہ انڈیا اور کچھ مڈل ایسٹ ممالک کا سروے ٹور کرنا ہے، دوبئی سے اسٹارٹ لینا ہے۔" عمر نے مختصراً تفصیل بتائی۔

"زبردست، اور ہاں اس دورے میں قادیان جانا نہیں بھولنا۔ تمھیں پتا ہے ناں کہ قادیان جانا مکہ مدینہ سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ ایسی روحانی کشش ہے وہاں جواب مکہ مدینہ میں بھی نہیں، اور ہو سکے تو میرے لیے وہاں کا متبرک پانی اور نان کے ٹکڑے بھی لیتے آنا، جاؤ گے ناں؟"

"ان شاءاللہ......!" عمر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تانیہ کو ساتھ لے کر جاؤ گے یا اکیلے اکیلے سب گھومنے کا ارادہ ہے؟"

جہانگیر نے تانیہ کو چھیڑنے کے لیے شرارت سے پوچھا۔

"اس بار تو نہیں انکل! اگلی بار لے جاؤں گا۔" عمر کو یہی جواب سوجھا۔

"ہاں اب تو یہ سلسلہ چلتا رہے گا ان شاءاللہ۔" جہانگیر گویا ہوئے۔

"اس بار تو یہ ہوا آئیں لیکن اگلی بار میرے بغیر جا کر تو دکھائیں۔"

تانیہ ایسے انداز سے بولی کہ سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"عمر! تمھاری واپسی کب ہوگی؟" رابعہ بیگم نے پوچھا۔

اور وہ تو نجانے کب سے اس کی "واپسی" کی منتظر تھی۔

"ماما! یہ تو کام پر منحصر ہے۔ دوبئی، مصر، کویت، انڈیا وغیرہ بہت سی جگہوں پر جانا ہے۔ وقت تو لگ ہی جائے گا۔" عمر نے مختصراً اپنا پروگرام بتایا۔

شام کو اس کی فلائٹ تھی۔ ائیرپورٹ جانے سے پہلے وہ رابعہ بیگم سے ملنے اُن کے گھر آیا ہوا تھا اور انھیں اپنی آئندہ مصروفیات کے بارے میں بتا رہا تھا۔

"اچھا ماشاءاللہ! خیر سے جاؤ اور خیر سے آؤ۔"

رابعہ بیگم نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

وقت کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ہمت کو بھی ڈھلتا پا رہی تھیں۔

انھوں نے عمر کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ عرصہ ہوا اُن کے درمیان مذہب کے موضوع پر اب کوئی بات نہ ہوتی تھی۔ انھوں نے بس اب اس کے لیے دعا کا وقت بڑھا دیا تھا۔

"اللہ اپنی امان میں رکھے۔"

ایک ٹھنڈی آہ رابعہ بیگم نے اپنے اندر سمونے کی کوشش کی، مگر کچھ لمحے الفاظ کے نہیں تاثرات کے محتاج ہوتے ہیں۔

"اللہ حافظ فی امان اللہ!" آج خلاف معمول وہ اس وقت تک دروازے پر کھڑی رہیں، جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہوگیا۔

"ماں تو ماں ہوتی ہے۔"

رابعہ بیگم نے گھر کا دروازہ بند کرتے ہوئے بے بسی سے سوچا۔

"ماں تو ماں ہوتی ہے۔"

عمر نے اپنی آنکھوں میں امڈتی نمی کو محسوس کرتے ہوئے سوچا۔

گاڑی ائیرپورٹ کی جانب رواں دواں تھی۔

☆......☆

''آئمہ تم اپنے ہوش وحواس میں تو ہو؟ تمھیں پتا بھی ہے کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟''
جہانگیر کا پارہ آسمان کو چھو رہا تھا۔
''ڈیڈ! میں وہی کہہ رہی ہوں جو آپ سن رہے ہیں؟''
آئمہ بھی آئمہ جہانگیر تھی، اُس نے دوبدو جواب دیا۔
''مجھے تمھارے اسکریوٹائٹ کرنے پڑیں گے۔ بلاشبہ شہیر ایک پرکشش شخصیت کا مالک ہے، اسی لیے منکرِ مسیح ہونے کے باوجود تمھاری اس سے دوستی پر میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ مجھے اپنی تربیت پر بھروسا ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کا پکا یقین تھا کہ تم اسے قابو کر کے اسلام میں داخل کر لوگی، لیکن جو بات تم کر رہی ہو وہ میرے لیے ناقابلِ یقین بھی ہے اور ناقابلِ عمل بھی۔''
جہانگیر نے مصالحتی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔
''ڈیڈ! ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہنے لگے ہیں اور میں اسے صرف اسی صورت میں قبول ہوں کہ جب میں اپنی جماعت چھوڑ دوں۔''
آئمہ صاف گوئی سے بولی۔
''جماعت چھوڑنے کی قیمت جانتی ہو تم؟ یہ پُرآسائش زندگی جو تمھیں بچپن سے ملی ہوئی ہے، یہ عالیشان گھر اور یہ تین تین گاڑیاں جن میں تم مرضی سے گھومتی پھرتی ہو، یہ سیکڑوں ڈالرز کا جیب خرچ، یہ ہے جماعت کی قیمت۔''
''جانتی ہوں میں اس جماعت کی قیمت اور یہ بھی جانتی ہوں کہ یہ قیمت بہشتی مقبرے کے نام پر پردیے جانے والے ٹیکس اور فنڈز کے ذریعے جماعت کے ایلیٹ کلاس سربراہان کو ملتی ہے۔ عام قادیانیوں سے بہشتی مقبرہ کے نام پر لیے جانے والے چندے کے بل بوتے پر اس جماعت کے معززین اور لیڈروں کی نسلیں پروان چڑھتی ہیں۔ یہی سچ ہے۔''
''اوہ تو تمھاری برین واشنگ کی گئی ہے۔ تو کیا اسلام میں چیریٹی نہیں ہے، دوسرے مذہبوں میں چیریٹی نہیں ہے، کیا وہاں پر فنڈنگ نہیں کی جاتی۔'' جہانگیر پھٹ پڑے۔
''ڈیڈ چیرٹی ہر مذہب میں ہے مگر جبراً نہیں، صدقہ دیا اور کیا جاتا ہے، زبردستی بٹورا نہیں جاتا۔''
''اف آئمہ......!'' جہانگیر نے بے چارگی سے کہا۔
''جماعت میں میرا نام ہے، میری ساکھ ہے، میری جوانی اپنی جماعت کی خدمت میں گزری ہے، تمھیں اپنے باپ کی عزت کی کوئی پروا نہیں؟...... آئمہ! اگر تم شہیر کو اسلام کی طرف، اپنی سچی جماعت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرو تو ہم سوچ سکتے ہیں۔'' جہانگیر نے ایک حل پیش کیا۔
''ڈیڈ! عمر بھائی کو جماعت میں شامل کرنا تھا اُس وقت تو آپ یہی کہتے تھے کہ ہم میں اور دوسرے مسلمانوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ہم بھی وہی کلمہ پڑھتے ہیں جیسے دوسری جماعتوں کے مسلمان پڑھتے ہیں تو پھر آج کفر واسلام کی بات کہاں سے آگئی؟ کیا فرق پڑ جائے گا اگر میں اپنی جماعت چھوڑ کر دوسری جماعت کے مسلمانوں میں شامل ہو جاؤں گی۔'' آئمہ قطعیت سے بولی۔
''آئمہ! تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم شادی کرنا چاہتی ہو ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں، مگر شرط وہی ہے کہ شہیر کو اپنا مذہب چھوڑنا ہوگا۔'' جہانگیر دوٹوک لہجے میں بولے۔
''ڈیڈ! وہ مجھے تو چھوڑ سکتا ہے لیکن اپنے مسلک کو نہیں اور ڈیڈ! میں شہیر کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ (جاری ہے)

دُعا سے بڑھ کر

ہم سبھی کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کا شریکِ حیات بہت اچھا ہو، اس کی اولاد نیک اور فرمانبردار ہو۔
دعا ایک ایسی قیمتی چیز ہے جو ہر نبی کو سکھائی گئی اور قرآن پاک میں مختلف انبیا کرام کی اللہ سے مانگی گئی دعائیں انھی الفاظ کے ساتھ موجود ہیں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ بندے کا اللہ سے دعا مانگنے کا عمل اللہ کو بہت محبوب ہے۔ سورہ فرقان کی آیت نمبر ۷۴ میں بہت ہی خوبصورت دعا ہے اور اس کی بہت برکات ہیں
رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۔
مفہوم: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے زوج (بیوی/شوہر) اور بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام (سربراہ) بنا دے۔''
کتنی خوبصورت دعا ہے کہ شریکِ حیات اور اولاد کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیا جائے۔
اور ظاہر ہے آنکھیں اسی سے ٹھنڈک حاصل کرتی ہیں، جو آپ کے لیے بے حد سکون کا باعث ہو۔ اور یہ دعا کہ ہمیں نیکوں کا پرہیزگاروں کا امام یعنی سربراہ بنا، یعنی ہماری رعیت میں جتنے لوگ ہیں وہ نیک ہوں۔
عورت کی رعیت میں اولاد اور مرد کی رعیت میں بیوی اور اولاد۔ یعنی جن پر ہم نگران ہیں وہ نیک ہوں، جب وہ نیک ہوں گے، اللہ کا قرب رکھنے والے ہوں گے تو زندگی کتنی خوبصورت ہو جائے گی!
اِس دعا کو معمول بنا لینے سے بہت برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ہر نماز کے بعد تین بار اس کو پڑھنے کا معمول بنانا فائدے مند ہے۔ فرض نماز کے بعد تین بار اور سنن ونوافل میں تشہد کی حالت میں سلام پھیرنے سے پہلے کی دعاؤں میں شامل کر کے پڑھی جا سکتی ہے۔
کوئی بھی دعا مستقل مزاجی سے اور سچی لگن سے مانگی جائے تو وہ ضرور اثر رکھتی ہے۔
چھوٹی عمر سے اپنے بچوں کو یاد کروا کے نماز میں پڑھنے کی ان کی بھی ترتیب بنوانی چاہیے۔ اس کی برکت سے اللہ رب العزت انھیں نیک، آنکھوں کی ٹھنڈک بننے والا شریکِ حیات اور اولاد عطا فرمائیں گے ان شاءاللہ!
کچھ والدین جوان اولاد کی نافرمانی سے پریشان ہوتے ہیں یا اپنی بیوی/شوہر کی وجہ سے پریشان ہیں، انھیں بھی نماز کی پابندی کے ساتھ ہر نماز کے بعد اس دعا کا معمول بنانا چاہیے۔
سچ ہے کہ دعا سے بڑھ کر خوبصورت چیز اور کچھ نہیں۔

سونیا بلال

☆☆☆

1032

ڈاکٹر زاہدہ ثقلین

تفریح کے وقفے میں آمنہ اور رباب نے اپنا اپنا توشہ دان کھولا اور پھر ایک دوسرے کا ناشتہ دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس دیں۔

''اف! آج تو سموسوں میں بہت مرچیں ہیں۔''

رباب نے سی سی کرتے ہوئے پانی کی بوتل کو منہ لگالیا۔

آمنہ مسکرائی اور خاموشی سے اپنا برگر کھاتی رہی۔ رباب نے سموسوں کی پلیٹ پرے کھسکائی اور جیب سے چاکلیٹ نکال کر کھانی شروع کی۔

''یہ برگر آنٹی نے بنایا ہے؟'' اس نے آمنہ سے پوچھا۔

''نہیں بھئی! رات چاچو آئے تھے تو وہ لائے تھے، صرف برگر نہیں پیزا، ڈرم اسٹک، ونگز اور شوارمہ بھی۔''

''کیا انھوں نے فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ کھول لیا ہے؟''

رباب ہنسی۔

''نہیں نہیں۔'' آمنہ بھی ہنسی۔ ''نائنتھ میں میرے اتنے اچھے نمبر آئے ہیں تو انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ میری پسند کی ٹریٹ دیں گے۔ اتنا سارا کچھ لائے تھے۔ کچھ رات میں کھایا کچھ صبح۔'' اُس نے چٹخارا لیا۔ ''ارے بھول گئی، یہ تمھارے لیے بھی برگر لائی ہوں۔''

آمنہ نے لفافے سے برگر نکال کر رباب کو پکڑایا۔

''بہت بہت شکریہ! اسے رکھو میں ابھی کوک لے کر آتی ہوں۔''

رباب یہ کہہ کر رکی نہیں۔

''توبہ، اتنی کوک پیتی ہے جیسے کوک کا نشہ ہو۔'' آمنہ نے کندھے اچکائے۔

رباب کی واپسی کوک کی دو بوتلوں کے ساتھ ہوئی۔ ایک آمنہ کے سامنے رکھی اور خود برگر کے ساتھ کوک سے لطف اندوز ہونے لگی۔

''رباب! تمھارے بھی تو اتنے اچھے نمبر آئے ہیں، تمھیں کیا انعام ملا؟''

آمنہ نے پوچھا تو وہ ہنس دی۔

''میں نے سب سے کہا کہ تحفہ خریدنے میں وقت اور پیسے ضائع نہ کریں۔ نقد رقم دے دیں تاکہ میں ڈھیر ساری کوک پی سکوں۔''

''کیا......؟'' مارے حیرت کے آمنہ کا منہ کھل گیا۔

''ہاں یار! امی اتنی کم منگوا کر دیتی ہیں، اب ہفتہ دس دن تو خوب عیش کروں گی۔''

☆......☆

آمنہ اور رباب بچپن کی سہیلیاں تھیں۔ گھر بھی قریب تھے اور اسکول بھی مشترک۔ اسکول قریب ہونے کی وجہ سے پیدل ہی آتی جاتی تھیں۔ پچھلے سال ان کے رہائشی علاقے سے متصل ہی ایک معروف فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ کی نئی شاخ کا افتتاح ہوا، سو ان کی تو گویا چاندی ہوگئی۔ گھر سے اجازت مل جاتی تو وہیں جاتیں، ورنہ ہوم ڈلیوری کی سہولت سے فائدہ اٹھایا جاتا۔

خیر رباب کے پاس اتنی رقم جمع ہوگئی کہ ہفتہ دس دن تو کیا پورے دو ہفتے پانی کی جگہ کوک ہی پیتی رہی۔ امی نے ایک آدھ بار ٹوکا بھی مگر ٹال گئی۔

کچھ دن سے وہ طبیعت میں سستی محسوس کر رہی تھی۔ اس دن اسکول سے لوٹی، بستہ رکھا اور یونیفارم بدلے بغیر بستر میں گھس گئی۔

امی فکرمند ہوئیں۔ ''رباب کیا بات ہے بیٹی؟''

''کچھ نہیں امی! بہت تھک گئی ہوں۔''

''بخار تو نہیں ہو رہا۔'' امی نے ماتھا چھوا۔

''کچھ نہیں ہے۔'' وہ چڑ گئی۔ ''بس مجھے سونے دیں۔''

''اچھا چلو سو جاؤ۔'' امی نے بتی بجھائی اور دروازہ بند کر دیا۔

شام کو سو کر اٹھی تو طبیعت نسبتاً بہتر تھی۔ بھوک بھی لگ رہی تھی۔ باورچی خانے سے کھانا لیا اور لاؤنج میں چلی آئی۔ سب اہلِ خانہ چائے پی رہے تھے۔

''اب طبیعت کیسی ہے؟'' ابا جان نے پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

''میں ٹھیک ہوں ابا جان۔'' اس نے نوالہ توڑتے ہوئے جواب دیا۔

ماش کی دال اس کی پسندیدہ تھی اس لیے رغبت سے کھانا کھانے لگی۔ اچانک اس کے منہ کے زاویے بگڑے۔

''امی......!'' امی اس کی طرف متوجہ ہوئیں تو وہ خفگی سے منہ بسور کر بولی:

''دال میں کنکر ہے۔''

امی کے چہرے پر خفت کے آثار نمودار ہوئے۔ اس نے اپنی انگلی کی پور امی کے سامنے کی جس پر ننھا سا ٹکڑا دھرا تھا۔

امی نے اس ٹکڑے کو غور سے دیکھا، پھر بے یقینی سے رباب کو مخاطب کیا:

''یہ کنکر نہیں ہے بیٹا!''

''تو پھر کیا......'' رباب کی بات ادھوری رہ گئی۔ اس کو اپنے منہ میں کچھ عجیب محسوس ہوا اب بے یقین ہونے کی باری رباب کی تھی۔ ''یہ...... یہ تو میرا دانت ٹوٹا ہے۔''

ابا جی، باجی، بھیا سب اس کے قریب آ کر دیکھنے لگے۔

''کیا دانت ہل رہا تھا؟'' امی کی طرف سے سوال آیا۔ رباب نے نفی میں سر ہلایا۔

''اگر دانت ہلتا تو پورا ٹوٹتا، یہ تو اس کا ٹکڑا ٹوٹا ہے یعنی اس کے دانت اتنے کمزور ہیں کہ روٹی چبانے سے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہے۔'' ابا جان نے تجزیہ کیا۔

''رباب گڑیا! دودھ نہیں پیتیں تم؟'' بھیا نے پوچھا۔

''روزانہ پیتی ہوں پورا گلاس۔'' وہ جھٹ بولی۔

''اچھا اب پریشان نہ ہو۔ ایک آدھ دن میں ڈینٹسٹ سے مشورہ کرتے ہیں۔''

ابا جان نے گویا بات ختم کی۔

رباب نے بددلی سے مزید کچھ نوالے لیے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆......☆

آمنہ نے پوری الماری تلپٹ کر کے رکھ دی تھی اور اب منہ بسورے کھڑی تھی۔

امی کمرے میں آئیں تو ٹھٹک گئیں۔ ''آمنہ! یہ کیا کیا ہے؟''

''کل مریم کی بہن کی شادی ہے لیکن میرے پاس کوئی بھی ڈھنگ کا سوٹ نہیں ہے۔''

''ابھی پچھے ماہ پہلے تو اپنے چاچو کی شادی پر دو سوٹ سلوائے تھے۔ وہی پہنو، نئے تو نہیں لے کر دوں گی۔'' امی نے صاف ہری جھنڈی دکھائی۔

اس نے کچھ دیر سوچا کہ منت سماجت کرے، مگر امی کے چہرے پر صاف انکار رقم تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' اس نے ہار مانی۔

''اب یہ سارے کپڑے تہ کر کے الماری میں رکھو۔'' امی نے حکم صادر کیا۔

''اف۔'' اس نے دانت کچکچائے، جلدی جلدی کپڑے سمیٹے اور رباب کو فون ملایا۔

رباب ابھی اپنے دانت کے غم میں مبتلا تھی۔ اس کے لہجے میں افسردگی محسوس کر کے آمنہ نے وجہ پوچھا تو رباب نے دانت والا قصہ سنایا۔

''اوہو...... یہ تو برا ہوا۔'' آمنہ نے ہمدردی کی۔

''تم دودھ زیادہ پیا کرو ناں۔''

''روزانہ پیتی ہوں۔ آج کل تو دودھ کا مزہ بھی زیادہ آتا ہے، کوک ملا لیتی ہوں۔ ٹھنڈا ٹھار دودھ سوڈا بہت لطف دیتا ہے۔''

''دودھ کون سا خالص ملتا ہے۔''

آمنہ نے امی کا جملہ بولا۔

''اور کیا؟ کل تو اتوار ہے، پرسوں امی کے ساتھ ڈینٹسٹ کے پاس جاؤں گی۔''

''کل مریم کی آپی کی شادی بھی ہے، میں ابھی اسی کے لیے کپڑے دیکھ رہی تھی، تم کون سا سوٹ پہنو گی؟''

''عید پر غرارہ سلوایا تھا، وہی پہن لوں گی۔''

''ٹھیک ہے تم میرے گھر آ جانا، یہاں سے اکٹھے ہی چلیں گے۔''

''ٹھیک ہے، پھر کل ملاقات ہوگی۔''

☆......☆

''امی! یہ سوٹ تو شارٹ ہو گیا ہے۔ مجھے پورا ہی نہیں آ رہا۔''

آمنہ نے سوٹ لا کر امی کے سامنے پھینکا اور منہ بسورتے ہوئے بیٹھ گئی۔

امی نے اس کی بدتمیزی کو نظر انداز کرتے ہوئے قمیص اٹھائی اور الٹ پلٹ کر دیکھا، پھر آمنہ کا بغور جائزہ لیا اور جیسے نتیجے پر پہنچ گئیں۔

''یہ شارٹ نہیں ہوا، بلکہ تم موٹی ہوگئی ہو۔''

''موٹی!'' وہ تڑپ کر اچھلی اور آئینے کے سامنے جا کر گھوم پھر کر اپنے آپ کو دیکھنے لگی!

''موٹی تو نہیں ہوں۔ بس تھوڑا سا وزن زیادہ لگ رہا ہے۔''

''تھوڑا نہیں کافی وزن زیادہ ہو گیا ہے، سارا دن موبائل اور کمپیوٹر پر مصروف رہتی ہو الم غلم فاسٹ فوڈ کھاتی ہو، روٹی سالن سے تمھیں الرجی ہوتی ہے، پھل پسند نہیں ہے، کام کاج، ورزش کا تمھیں وقت نہیں ملتا تو پھر اور کیا ہوگا؟'' امی نے پوری تقریر کر دی۔

''اچھا اچھا آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، مگر اب میں کیا کروں؟'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''یہی تو سوچ رہی ہوں۔''

''جلدی سوچیں نا، امی رباب آنے والی ہوگی۔''

''تم رباب سے کہو اپنا کوئی سوٹ لے آئے، وہ تمھیں پورا آ جائے گا۔ اس کا وزن تم سے بھی زیادہ ہو رہا ہے۔'' امی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

وہ پریشانی میں گھری ممکنات پر غور کرتی رہی اور آخر کار امی کا مشورہ ہی قابل عمل لگا۔

رباب کو فون کر کے بات کی تو وہ ہنسنا شروع ہو گئی۔

آمنہ کو اور غصہ آ گیا۔

''تم بھی اڑا لو مذاق، خود تو جیسے بہت اسمارٹ ہو۔''

''ارے یہ تو ہماری خاندانی جسامت ہے۔''

اس نے فخر یہ کہا۔

''اچھا اب بتاؤ، کپڑے لاؤ گی یا نہیں؟''

آمنہ جل کر بولی۔

''کیوں نہیں؟ دوست وہی جو مصیبت میں کام آئے۔''

''جلدی آؤ میں انتظار کر رہی ہوں۔'' آمنہ نے

گمان

اس کے پاس کہنے کو بہت سی باتیں اور لکھنے کو بہت سی کہانیاں تھیں۔

ہر چلتے پھرتے چہرے پہ اسے کئی جملے لکھے ملتے۔ اَن کہے، اَن سنے!

جیسے لوگ اپنے قدموں کے ساتھ کئی باتوں کا وزن باندھے چل رہے ہیں۔ ہر کوئی کچھ کہنا چاہتا ہے اور ہر کوئی خاموش ہے۔ آج جب وہ اپنی چھٹی کو بھرپور طریقے سے منانے کا سوچ رہی تھی، تبھی اس کی ساس نے اُس سے ان باتوں کا جواز مانگا جو محض ان کا گمان تھا۔

اس نے وضاحت کی، مگر وہ اَن سنی کر دی گئی۔

اس نے خاموشی اختیار کی تو اسے غرور سمجھا گیا۔

''بدگمانی اور اپنی مرضی کے مطالب ذرا سے فاصلے بھی ہزار گنا بڑھ جاتی ہیں۔''

اس نے اپنے آنسو روکنے کی کوشش کرتے سوچا مگر اس کی آنکھیں لال ہوگئیں۔

اسے بے ساختہ اپنا گھر یاد آیا، مگر بتایا گیا تھا کہ اب یہی اس کا گھر ہے۔

اسے سمجھ میں آ گیا کہ کیوں ہر دوسری عورت کے پاس ایک نئی کہانی ہوتی ہے اور کیوں اپنا گھر بھی اپنا نہیں لگتا۔

چپ چاپ سی وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کہے بھی تو کسے، شوہر سے ان کے ماں باپ کا شکوہ!

یہ اسے اچھا نہیں لگتا تھا کہ وہ رشتوں میں بے وجہ کی دوریاں پیدا کرے۔

حساس لوگوں کے اپنے مسئلے ہوتے ہیں۔

عشوا ارانا۔ سانواں

تبھی اسے باہر مہمانوں کی آواز آئی۔

وہ اٹھی، آئینے کے سامنے آ کر لپ اسٹک لگائی اور آنکھ کی اداسی کو کاجل سے دور کرنا چاہا۔

دو لمحے تو وہ آئینے میں اپنے عکس ہی کو دیکھے گئی۔

انسان بھی پل پل روپ بدلتے ہیں۔

اسے علم تھا کہ وہ خود کو سمجھا لے گی مگر کیوں؟

خود ہی کو کیوں؟

انسان ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟

اس کی بات کاٹ کر تاکید کی اور فون بند کر دیا۔

رباب کا لایا ہوا سوٹ آمنہ کے ناپ کا ہی نکلا۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

"لاؤ میں تمھارا ہلکا سا میک اپ کر دوں۔" رباب نے آمنہ کو آئینے کے سامنے بٹھایا اور ہاتھ چلانے لگی۔

"آمنہ! تمھارے چہرے پر بال زیادہ نہیں ہو رہے؟"

وہ تشویش سے بولی تو آمنہ نے بھی غور سے دیکھا۔ ٹھوڑی پر واقعی بال موجود تھے۔

"میں نے پہلے غور ہی نہیں کیا، پتا نہیں یہ کیوں آ رہے ہیں؟"

"ابھی تم پریشان نہ ہو۔ ہمیں پہلے ہی دیر ہو رہی ہے، بعد میں آنٹی سے کہنا کہ ڈاکٹر کو چیک کروائیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔"

آمنہ کسی مسئلے کو زیادہ سر پر سوار نہیں کرتی تھی، اس لیے آرام سے تیار ہونے لگی۔

☆......☆

رباب کی چیخ سے سب گھبرا کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ شادی ہال میں ان کی بہت سی ہم جماعت لڑکیاں موجود تھیں۔ چمکتے دمکتے ملبوسات، بے فکری، ہنسی، شوخیاں۔ وہ سب ایک ہی جگہ بیٹھی مشروب سے لطف اندوز ہو رہی تھیں کہ اچانک رباب کے ہاتھ سے گلاس گر گیا اور وہ اضطراری حالت میں چلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

سب اس کی طرف بڑھے۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں نیم بند مٹھی کی صورت مڑی ہوئی تھیں اور مارے تکلیف کے چلائے جا رہی تھی۔ "میرا ہاتھ، ہائے میرا ہاتھ۔"

آمنہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر انگلیاں سیدھی کرنے کی کوشش کی مگر وہ تو جیسے تختہ ہو گئی تھیں۔

اسی اثنا میں مریم کے والد اور چند دیگر مرد بھی بھاگے آئے اور رباب کی حالت زار دیکھ کر فوراً ریسکیو والوں کو فون کیا۔

چند ہی منٹ میں شور مچاتی ایمبولینس شادی ہال کے دروازے پر موجود تھی۔

مریم کے ابو اور آمنہ رباب کے ساتھ سوار ہوئے۔ راستے ہی میں آمنہ نے رباب کی امی کو فون کر کے صورت حال سے آگاہ کیا، ان کا گھر اسپتال سے قریب ہی تھا۔ رباب کے والدین اور ایمبولینس آگے پیچھے ہی وہاں پہنچیں۔

رباب اب بھی روئے جا رہی تھی۔ ہاتھوں کی حالت میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

ایمرجنسی میں فوری طبی امداد دی گئی اور چند ہی لمحوں میں رباب پرسکون ہو گئی۔

نرس نے ڈاکٹر کی ہدایت پر خون کا نمونہ لیا اور لیبارٹری بھیج دیا۔ اس کی رپورٹ آئی تو چہرے پر تشویش لیے ڈاکٹر رباب کے پاس آئے۔

رباب کے والدین نے سوالیہ نظروں سے انھیں دیکھا۔

"آپ کی بیٹی کے جسم میں کیلشیم کی سطح انتہائی کم ہے، یہ تشویش ناک صورت حال ہے۔"

"کیا آج کی تکلیف اسی وجہ سے ہوئی؟"

ابو نے سوال کیا۔

"جی...... اس کو tetany کہتے ہیں۔ خون میں کیلشیم کی مقدار ایک خاص سطح سے کم ہو جائے تو انگلیوں کے پٹھے تشنجی کیفیت میں اکڑ جاتے ہیں جو بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ ہم نے فوری انجکشن لگایا تو پٹھے ڈھیلے پڑ گئے، مگر یہ وقتی اور ہنگامی علاج تھا۔ اصل علاج تب ہو گا جب ہمیں اس کی وجہ کا علم ہو گا۔"

ڈاکٹر نے تفصیلی جواب دیا۔

امی کے ذہن میں گزشتہ روز والا دانت کا ٹکڑا گھوم گیا۔

"رباب اسی لیے کل تمھارے دانت کا ٹکڑا ٹوٹا تھا، کیونکہ کیلشیم کم تھا۔"

رباب دم بخود ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"آپ کو بھوک ٹھیک لگتی ہے؟"

ڈاکٹر رباب کی طرف متوجہ ہوئے۔

"کم لگتی ہے۔"

"تھکاوٹ تو نہیں محسوس ہوتی؟"

"کچھ دن سے بہت جلدی تھک جاتی ہوں۔ حتیٰ کہ تھوڑا سا لکھنے سے ہاتھ درد کرتے ہیں۔ بال بناتے ہوئے بازو دُکھنے لگتا ہے۔"

"دودھ پیتی ہیں؟"

"جی روزانہ۔"

"خاندان میں کسی کو ایسا مسئلہ تو نہیں ہوا؟"

"نہیں۔"

کچھ دیر غور کرنے کے بعد انھوں نے نرس کو ہدایت دی کہ ان کا ہڈیوں کا ٹیسٹ بھی کروائیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ کیلشیم کی کمی سے ہڈیوں میں بھربھرا پن تو نہیں پیدا ہو گیا۔

"نجانے کون سی بڑی بیماری کا انکشاف ہونے جا رہا ہے۔"

رباب کو اپنا حلق سوکھتا ہوا محسوس ہوا۔

"مم...... مجھے پیاس لگی ہے۔"

اس نے ملتجی نظروں سے ابو کو دیکھا۔

"میں ابھی پانی کی بوتل لے کر آتا ہوں۔"

ابو فوراً اٹھے۔

"انکل اس کے لیے تو کوک ہی لے آئیں۔"

آمنہ نے شرارت سے کہا تو ابو بھی مسکرا دیے۔

سب کو اس کے کوک کے نشے کا علم تھا۔

اگلے مریض کی طرف بڑھتے ڈاکٹر چونک کر پلٹے۔

"کیا آپ کوک بہت پیتی ہیں؟" ان کے لہجے میں کچھ تھا کہ سب کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"جی ڈاکٹر صاحب! بہت زیادہ۔" آمنہ نے جواب دیا۔ "اور پچھلے دو ہفتوں سے تو یہ پانی کی جگہ بھی کوک ہی استعمال کر رہی ہے۔"

ڈاکٹر جیسے کسی نتیجے پر پہنچ گئے۔ انھوں نے گہرا سانس لیا۔ "یہی تو وجہ بنی ہے جسم میں کیلشیم کی کمی کی۔"

ان کی بات سن کر سب ہی سن رہ گئے۔

☆......☆

واپسی کے سفر میں سب ہی خاموش تھے۔ مگر ڈاکٹر کی باتوں کی بازگشت سب کے ذہنوں میں گونج رہی تھی۔

"کولڈ ڈرنکس کا نشہ ہمارے ہاں وبا کی صورت میں پھیل گیا ہے حالانکہ ان میں نہ کوئی غذائیت ہے اور نہ صحت کے لیے کوئی فائدہ۔ کوک کو تو میں کالا زہر کہتا ہوں۔ یہ آپ کے معدے، جگر اور گردوں کے لیے نقصان دہ ہے اور کیلشیم کی کمی کس حد تک کم کر سکتا ہے اس

کا مشاہدہ آپ لوگوں نے آج کر ہی لیا ہے۔ بچی کی ہڈیوں میں بھربھرے پن کے آثار شروع ہیں، یہی حال رہا تو جیسے دانت ٹوٹا تھا ویسے خود بخود ہڈیوں کے فریکچر ہونا شروع ہو جائیں گے۔ ان مشروبات میں کچھ کیفین بھی شامل ہے، جس کی وجہ سے پینے کے بعد تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ دماغ تازہ دَم لگتا ہے مگر یہ عارضی ہوتا ہے۔ ان میں شوگر کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ مسلسل استعمال سے آپ ذیابیطس اور موٹاپے کا شکار ہو سکتے ہیں اور ایک موٹاپا مزید کئی بیماریوں کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے تہیہ کریں کہ اس سے جان چھڑائیں۔ کچھ لوگ اس کو دودھ میں ملا کر پیتے ہیں۔ اس طرح تو دودھ کی غذائیت بھی ضائع ہو جاتی ہے۔ صحت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اس کو یوں ضائع نہ کریں صرف دوائیوں سے فائدہ نہیں ہوگا۔ جب تک آپ کولڈ ڈرنکس نہیں چھوڑیں گی۔''

گھر پہنچ کر آمنہ نے تفصیل سے امی کو پورا واقعہ سنایا تو امی بھی فکر مند ہو گئیں۔

''آمنہ! کولڈ ڈرنکس تو تم بھی کافی پیتی ہو، کہیں تم میں بھی کیلشیم کی کمی نہ ہو۔''

''کل مجھے بھی ڈاکٹر کے پاس لے چلیں۔''

وہ فکر مند ہو گئی۔

☆......☆

ڈاکٹر صاحبہ نے تفصیل سے ان کی شکایات سنیں۔ رباب کے واقعہ کا بھی بتایا۔

''آپ کا وزن تو نہیں بڑھ رہا؟''

انھوں نے سوال کیا۔ جواب اثبات میں تھا۔

''ٹھوڑی پر بال تو نہیں اگ رہے؟''

''ایام میں بے قاعدگی تو نہیں ہے؟''

ہر سوال کا جواب ہاں میں تھا۔

ڈاکٹر صاحبہ نے اُس کا وزن کیا، الٹرا ساؤنڈ کیا اور جیسے کسی نتیجے پر پہنچ گئیں۔

''ڈاکٹر صاحبہ! زیادہ مسئلہ تو نہیں ہے؟''

امی نے تشویش سے پوچھا۔

ان کو جواب دینے کی بجائے وہ آمنہ کی طرف متوجہ ہوئیں: ''آمنہ! آپ جنک فوڈ تو زیادہ نہیں کھاتیں؟ یعنی فاسٹ فوڈ، کولڈ ڈرنکس، چپس وغیرہ۔''

آمنہ نے خوف زدہ نظروں سے امی کو دیکھا اور وہ تو جیسے اسی بات کی منتظر تھیں۔

''ڈاکٹر صاحبہ! یہ تو کھاتی ہی جنک فوڈ ہے۔ جتنا مرضی سمجھا لو مگر گھر کا کھانا تو شان کے خلاف ہے۔''

آمنہ مجرم بنی سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''آپ کی بیٹی کو جو بیماری ہے اسے (ovarian cystic syrdrane pdy) یا PCOS کہتے ہیں۔ یہ آج کل بڑھتی ہوئی بچیوں میں بہت عام ہے، کیونکہ ہمارا رہن سہن بدل گیا ہے۔ موبائل، کمپیوٹرز، لیپ ٹاپ ان کی وجہ سے بھاگنے دوڑنے والے کھیل ختم ہوئے اور فاسٹ فوڈ نے صحت مند کھانوں کی جگہ لے لی۔ نتیجتاً بچیوں میں ہارمون کا تناسب بگڑ جاتا ہے اور وزن بڑھنا، چہرے پر بالوں کا نکلنا اور ایام میں بے قاعدگی اسی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ صرف یہی نہیں شادی کے بعد بھی اس کی وجہ سے مسائل قائم رہتے ہیں۔''

آمنہ دَم بخود ان کی باتیں سن رہی تھی۔

''ڈاکٹر صاحبہ! آپ اچھی سی دوائی لکھ دیں کہ میری بیٹی ٹھیک ہو جائے۔''

امی نے درخواست کی۔

''اس کا علاج تو بیٹی آپ کے اپنے ہاتھ میں ہے۔'' ڈاکٹر صاحبہ آمنہ سے مخاطب ہوئیں۔

''وہ کیسے؟''

''آپ کو اپنا طرزِ زندگی بدلنا ہوگا۔ سبزیاں، پھل اور گھر کی بنی ہوئی متوازن غذا لینی ہوگی اور بیکری مصنوعات، کولڈ ڈرنکس اور فاسٹ فوڈ کا مکمل بائیکاٹ۔''

''پھر میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گی؟''

''ان شاء اللہ! مگر جب تک آپ ان ہدایات پر عمل کرتی رہیں گی تب تک صحت مند رہیں گی۔ یہ کوئی دو چار روز تک کرنے کے کام نہیں ہیں بلکہ ان کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں۔''

''ڈاکٹر صاحبہ آپ کوئی دوائی بھی دے دیں۔''

امی نے کہا۔

''جی بالکل دوائی میں لکھ دیتی ہوں، مگر بیٹی یاد رکھو اگر تم وزن کم کر لو تو سمجھو آدھا علاج ہو گیا۔''

''جی میں آپ کی ہدایات پر پورا عمل کروں گی ان شاء اللہ۔''

آمنہ کے لہجے میں مضبوطی تھی۔

☆......☆

اگلے دن اسکول میں آمنہ نے رباب کو کل کی روداد سنائی اور اسی عزم کو دہرایا جو وہ ڈاکٹر کے کلینک میں کر کے آئی تھی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو آمنہ!'' رباب نے سر ہلایا۔

''اس دن کے واقعے میں بہت ڈر گئی ہوں۔ یقین مانو میں نے تین دن سے ایک گھونٹ بھی کوک نہیں پی۔''

''ہم نے اپنی صحت کا خیال رکھنا ہے۔'' آمنہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

تفریح کے وقفے میں ان دونوں نے اپنا اپنا توشہ دان کھولا اور ایک دوسرے کا ناشتہ دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس دیں۔

آمنہ کی امی نے فروٹ چاٹ اور رباب کی امی نے سبزیوں کا سلاد بنا کر دیا تھا۔

وہ صحت مند طرزِ زندگی کی طرف قدم بڑھا چکی تھیں۔

☆☆☆

مسئولیت و ذمہ داری کے فوائد

☆ مسئولیت و ذمے داری جیسا مضبوط اور آہنی جذبہ جب کسی قوم کے دلوں میں جاگزیں ہو جاتا ہے تو پھر وہ قوم ایک ایسے معاشرے کی شکل میں ظہور پذیر ہوتی ہے کہ کڑے سے کڑے مشکلات و حوادث زمانہ اور بڑے بڑے سورما اس قوم کو شکست نہیں دے سکتے۔

☆ مسئولیت و جواب دہی کا جذبہ ہی انسان کو حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی پر ابھارتا ہے۔

☆ مسئولیت و جواب دہی کا احساس ہر نیک کام میں اخلاص و للّٰہیت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

☆ انسانی معاشرے میں کوئی شخص کسی طبقے سے بھی تعلق کیوں نہ رکھتا ہو، بہر صورت کسی نہ کسی درجہ میں مسؤل اور ذمہ دار ہے، وہ ذمہ داری اور مسئولیت کے عہدہ سے بری اور جدا نہیں ہو سکتا۔ {نضرۃ النعیم}

بندر روڈ سے کیماڑی

8

اب ہم چلے یونیورسٹی روڈ کی جانب۔ جہاں ہماری محبت میں لڑکیوں نے بزم سجائی تھی۔ بڑی مشکل سے یہ تقریب طے ہوئی تھی مگر ابھی وقت بہت باقی تھا۔ ہماری اگلی دو ملاقاتیں بھی یکے بعد دیگرے طے تھیں۔ کچھ دل میں پاکستانیوں کے بارے میں عموماً اور اہلِ کراچی کے بارے میں خصوصاً گمان تھا کہ چار کا مطلب ساڑھے پانچ چھے نہ لے رہے ہوں۔ آخر ان کی شادیوں اور تقریبات میں تاخیر کی کہانیاں جو پڑھ سن رکھی تھیں۔ میاں کو دبے لفظوں میں کہا کہ ہمیں چھوڑ کے مل ملا آئیں مگر ان کا خیال تھا چار سے چھے کافی وقت ہے، اس دوران میں گاڑی کی ہیڈ لائٹ ٹھیک کرائیں گے۔

تکرار کا یارا نہ تھا۔ سب شور و زور لڑکیوں پر ہی آزمایا جا سکتا تھا، سو احتیاطاً قبل از وقت شور مچانا شروع کیا کہ لڑکیاں گھروں سے نکلنے کے لیے رکشے وکشے بھائی وائی بلانا شروع کر دیں۔ دھمکی دی کہ پانچ بجے تک میں واپس چلی جاؤں گی۔ بچیوں کے خوب ہاتھ پیر پھلائے، امامہ کو پگلایا، عائشہ کا سنگھار بیچ میں رہ گیا۔ اک یسریٰ تھیں جو نک سک سے تیار نہا دھو کے آئیں۔ صائمہ کے گیسو دراز پریشاں ہی رہ گئے۔ سحر کی پھلکی بھگوئی نہ گئی تھی۔ ان کے گھر کا رستہ اچھا خاصا تھا۔ ایک موڑ غلط ہو گیا اور پھر گزرتے گزرتے ہم نے این ای ڈی اور جامعہ کراچی وغیرہ کے در و دیوار عقب یا فرنٹ سے ملاحظہ کر لیے اور دل میں خوش ہوئے کہ اب اپنی جامعہ میں کہہ سکیں گے کہ ہم ان عظیم الشان اداروں کی دید کا شرف رکھتے ہیں۔ اس چکر میں دس پندرہ منٹ اضافی خرچ ہوئے، پھر بھی ہم ماں بیٹی دس منٹ قبل میزبان کے دروازے پر تھے۔

یہاں اُن کے چنے منے شہزادے سیڑھی سے اوپر لے کے گئے اور اپنی بطخ سے ملوایا۔

پیچھے اماں نان اسٹاپ اپنی کھنکتی آواز سے تین عدد گڈے قابو کرنے کے چکر میں تھیں۔ فرشی نشست بچھی تھی۔ ایک جانب برتن سجے رکھے تھے۔ سحر سے یہ پہلی بالمشافہ ملاقات تھی۔ تین چنے منوں کی اماں کا جیسا حال ہوتا وہی تھا۔ پھرکی کی مانند گھوم رہی تھی۔ چھوٹا سو گیا تو محترمہ گئیں اپنی اسکیٹھی فائنل کرنے۔ اِدھر ہم نے پاؤں پسارے تو نیند کے جھونکے آنے لگے۔ داخلی کشمکش بھی جاری تھی۔ ضمیر کہتا تھا کہ ایک بچہ پکڑ لے تاکہ اس کی اماں کام کریں یا کام ہی میں کچھ ہاتھ بٹا مگر نفس امارہ تھا کہ اس پرسکون نشست میں آنکھیں بند کیے دے رہا تھا۔ فتح آخر نفس کی ہوئی اور ہم نے اپنے برقع کو تکیہ کیا اور پسر گئے۔ سحر نے جو دیکھا تو جھٹ اپنے منے کے ساتھ خواب گاہ میں تکیہ اور کمبل دے کے بتی بھی بند کر دی۔ اُدھر فرشتوں نے لڑکیوں کو بھی ہمارے قیلولے کی اطلاع کر دی۔ پونے پانچ گھڑی دیکھی تو کسی کی آمد کے آثار نہ تھے۔ یہ اچھا مذاق ہے کراچی والیوں کا۔ باہر منے اور ان کی اماں کے مابین مکالمہ جاری تھا۔ ٹیپ کا مصرع کچھ یوں تھا:

"آہستہ! شور مت مچاؤ، خالہ سو رہی ہیں۔"

"خالہ سو رہی ہیں؟"

"خالہ سو رہی ہیں۔" لیٹے لیٹے ہمیں ہنسی آنے لگی۔

تیمیہ صبیحہ۔ اسلام آباد

آخر پانچ بجے کے قریب کچھ جلترنگ، کچھ کھنک اور قہقہے سنائی دیے۔ کچھ ہی دیر میں بہت سی حسینائیں پہنچ گئیں۔ اوّل فاصلوں کی طوالت وغیرہ کا دُکھڑا رو دیا گیا۔ کچھ ہماری طرح سادی خواتین نے تو اپنے آپ تعارف کروا دیا اور کچھ اسریٰ باجی کی طرح شریر نکلیں۔ چپکے چپکے ہماری بونگیوں پر مسکراتی رہیں اور بجھارت بجھواتی رہیں۔ فٹافٹ دسترخوان بھی سجا دیا گیا۔ اللہ اللہ! کیا کیا نعمتیں بھیجی ہیں اِن لڑکیوں کے ہاتھوں سے۔ بیچ میں بڑا سا تھال گول گپوں کا۔ اسپیگیٹھی، سموسے، دہی بڑے، کیک، بسکٹ، آلو کی بہت لذیذ ٹکیاں، چٹنیاں وغیرہ۔ سب بیٹھ چکے تھے کہ ہماری نقیب محترمہ عائشہ صاحبہ اپنے منے بچے اور اماں جان کے ساتھ ہانپتی کانپتی تشریف لائیں۔ پتا چلا کافی دیر سے رکشے پر رستہ تلاش کر رہی تھیں۔ ان کے پیچھے پیچھے بزعم خود ہماری مرید اور درحقیقت کراچی کے سلینگ میں ہماری "استاد" ڈاکٹر صدیقی صاحبہ یہ بڑا سا برتن اور ایک عدد قینچی لیے داخل ہوئیں۔ برتن میں ڈھیر شوارمے رکھے تھے اور قینچی اس کی قطع برید کے واسطے لائی تھیں۔ اس سلیقے نے ہم پر یک گونہ اثر ڈالا۔

اب تعارف کی فرمائش ہوئی کیونکہ بہت سی ایک دوسرے کو پہلی بار دیکھ رہی تھیں۔ میزبان گویا ہوئیں:

"میرا نام ...... ہے ...... تین بیٹے ہیں اور میں ......"

"اماں!"

اس دل دوز پکار کے سامنے دنیا کا ہر کام ہیچ ہے، سو اماں یہ کہتی منے کو لیے چل دیں کہ "بس یہی کرتی ہوں۔"

اِن پھلجھڑیوں کے درمیان تعارف بھی اتار چڑھاؤ کا شکار رہا۔

یسریٰ اور صائمہ صحافیوں کے سے فراٹے بھر رہی تھیں۔ یسریٰ کو اچنبھا تھا کہ اسلام آباد میں صرف ایک ہی فوڈ اسٹریٹ ہے۔ ہمیں یہ کمی کبھی محسوس نہ ہوئی تھی۔ ویسے بھی اسلام آباد میں لوگ ہی کتنے ہیں، مگر اب حمیت کا تقاضا تھا لہٰذا کہنا پڑا:

"بہن! ملک کے دارالحکومت میں ہم کام کاج کرتے ہیں، پورے ملک کے انتظام کی ذمے داری ہے۔ کھانے پینے کے لیے فارغ تھوڑا ہیں۔"

مگر اس بات نے سوچنے پر مجبور کیا کہ ٹورازم ایک مکمل پیکج ہے، جس میں مارگلہ کے پہاڑوں پر ہائیکنگ کے بعد مونال یا کوئٹہ ہوٹل ہونا ضروری ہے۔ ٹرانسپورٹ، رسائی، رہائش، خوراک، بیت الخلا، ایمرجنسی ریسکیو وغیرہ وغیرہ۔

اسریٰ خاص ہمیں سرپرائز دینے آئی تھیں۔ اُن سے ٹنڈو آدم کے واسطے رشتے

داری پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اُن کے خصوصی طور پر لائے ہوئے گول گپوں سے دسترخوان خاص ہو رہا تھا۔ اُس پر مستزاد گول گپوں جیسی کھٹی میٹھی پھلجھڑیاں۔ فلزہ کی اماں کے ماتھے پر تفکرات کے سایے تھے اور وہ مونالیزا کی طرح خوشی اور غم کے ملے جلے تاثرات سے رہتی دنیا تک اپنا امیج قائم کر رہی تھیں۔ گود میں جنت کا ایک پھول سجا ہوا تھا۔ ایک لمبی سانس کھینچ کے اس پھول کی لطافت سونگھی یا کوئی دبی آہ خارج کی:

''پنجاب اور اسلام آباد میں بہت سی مثالیں ہیں کہ شادی اور بچوں کے بعد خواتین پوسٹ گریجویٹ تعلیم مکمل کر لیتی ہیں۔ کراچی میں تو بی اے کیا، رخصت ہوئے اور پھر کتنی ہی خواہش ہو گھر داری سے فرصت ہی نہیں ہوتی۔ چند ایک مثالیں یہ امامہ باجی اور عائشہ باجی کی نظر آتی ہیں۔''

سچی بات ہے کہ ہمارے زمانہ طالب علمی میں یہ تو ایک عمومی تاثر تھا کہ کراچی کی ارکان بہت متحرک، زیادہ تنظیمی فہم رکھنے والی مگر اوسطاً جمعیت میں کم وقت گزارنے والی ہوتی تھیں۔ چار سے پانچ سال میں یہ جمپ کر کے پیا دیس سدھارتی تھیں۔ اپنے سینیئر صاحب کی بیگم جو کسی زمانے میں ہماری ہم جماعت تھیں، کہا کرتی تھیں کہ کراچی کے رہائشی کو اجتماعیت اور تحریکیت سکھانی نہیں پڑتی، خواہ وہ کسی تنظیم میں ہو، لیکن پنجاب میدانوں کی سرزمین ہے۔ جیسا کچھ تحریکِ پاکستان میں ٹھنڈا اٹھار حصہ لیا تھا ویسا ہی اجتماعیت میں شمولیت کا رجحان ہے۔ مسلم لیگ کی تنظیمی حالت دیکھ لیں۔

ایک مطمئن خاموش روح مسکراتے چہرے کے ساتھ ہمارے بائیں جانب سجی ہوئی تھیں۔ فرح جن کی خامشی ہی دل موہنے والی ہے۔

امامہ صاحبہ غائب دماغی میں ہماری ہم سری کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ جب لوگوں نے تہذیب بیکری سے لائے پف پیٹی دیکھ کے پوچھا کہ یہ تیمیہ باجی لائی ہوں گی تو امامہ جھٹ بولیں:

''ہاں تو شکل سے دیکھتے ہی پتا چل رہا ہے۔ تیمیہ کی کاپی ہیں بالکل۔''

جس نے سنا انگلی دانتوں میں دبا لی۔ ہم سمجھے اب تلک جو آئینے میں نظر آتا تھا وہم تھا۔

اتنے میں کسی عقلمند نے امامہ سے دریافت کیا کہ جناب کا اشارہ کس جانب ہے؟ معلوم ہوا محترمہ ہماری صاحبزادی کا بشرہ دیکھ کے ہم شکلی کا دعوی کر رہی تھیں۔

خیر ہے درجنوں مہمانوں، ملازمت، بچوں وغیرہ کے ساتھ ہو ہی جاتا ہے۔

اُدھر عینی آپا کچھ منیجرز کی سی شان لیے تقریب کا انتظام کر رہی تھیں۔ اکثر وقت سپروائزر کی طرح کھڑے اِدھر اُدھر مختلف منڈلیوں کی نگرانی کرتی نظر آئیں۔

چھ بج چکے تھے اور ہمارے کان میاں کی گھنٹی کے انتظار میں بج رہے تھے۔

گھبراہٹ میں سوال گندم جواب چنا والا سین ہو رہا تھا۔ دختر نیک اختر خوب خوش ہو رہی تھیں کہ انھیں اکٹھے اتنے سارے نستعلیق اور کرخنداری اردو لہجے سننے کو مل رہے تھے۔

جیسے نہ چاہتے ہوئے مسافر دنیا سے کوچ کرتا ہے، ہم بھی دل میں دوبارہ ملنے کی تمنائیں لیے رخصت ہوئے۔ (جاری ہے)

بزمِ خواتین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

۞ شمارہ ۱۰۲۴ میں سب سے پہلے القرآن والحدیث کو پڑھا۔ اس رسالے میں ساری کہانیاں بڑی بڑی تھیں۔ مجھ سے بڑی کہانیاں پڑھی نہیں جاتیں۔ کچھ چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہم بچوں کے لیے لگایا کریں۔ چچا! میں نے پہلے بھی ایک خط لکھا تھا لیکن وہ شائع نہیں ہوا۔ میری عمر دس سال ہے۔ الحمدللہ! میں نے شرعی پردہ شروع کرلیا ہے۔ چچا جی! میرا خط ضرور شائع کرنا۔ مجھے ردی کی بالٹی بہت بری لگتی ہے۔

(بنت ملک اشرف ثانی۔گڑھا موڑ)

ج: ردی کی بالٹی اگر ''بری'' نہ ہوتی تو یقین مانیے، رسالہ اچھا نہ ہوتا۔

۞ القرآن الحدیث پڑھ کر اندر تک سکون اتر جاتا ہے۔ 'خواتین کے دینی مسائل' پڑھ کر بہت سے مسئلے سمجھ میں آجاتے ہیں۔ 'چھٹی کا دن' اچھی کہانی تھی۔ 'نام میں کیا رکھا ہے' پوری تحریر پڑھ کر مزہ آگیا۔ کمال کردیا سلمیٰ آپی نے۔ 'بس آپ نے گھبرانا نہیں ہے' پڑھ کر ہنسی ضبط کرنا مشکل ہوگئی۔ 'محکمۂ خریداری' بھی اچھی تحریر تھی۔

(بنت ملک اشرف۔گڑھا موڑ)

۞ 'ازواج مطہرات کا حق مہر' یہ آئینۂ گفتار ہمیں بے حد پسند آیا، چشم کشا! اس آئینہ کو پڑھتے ہوئے بھی ہم اپنے میاں جی سے لڑنے کی تیاری پکڑ ہی رہے تھے کہ آخر میں آپ نے منع کرکے غبارے کی ساری پھونک نکال لی۔ 'ایک منٹ کا انقلاب' سے دل کا سکون حاصل کرنے کا 'نسخۂ کیمیا' علم میں آیا۔ 'سہارا' شاہکار ناول تھا، اپنے خوب صورت اختتام کے ساتھ دل پر انمٹ نقوش چھوڑ گیا۔ 'جینا گول نہ کریں' مضمون پسند آیا۔ 'ڈانٹ پلان' مزے دار پلان ٹھہرا۔ 'بچوں کے لیے جلاد نہیں جنت بنیے' بے حد خوب صورت سوچ کے تحت لکھا جانے والا مضمون! بہت خوب۔ اللہ پاک عمل کی توفیق سے نوازے، آمین! حسبِ معمول یہ رسالہ بھی ہم نے آخر سے کھولا تھا۔ 'الف نمبر پر تاثرات' ابھی پہلی لائن ہی پڑھی تھی کہ دماغ میں جھماکا سا ہوا۔ 'ارے یہ تو ہمارا تبصرہ لگ رہا ہے۔ فوراً نام دیکھا تو خوشی کے بے پایاں احساس نے گھیر لیا۔ تبصرہ پڑھنے سے قبل جواب بھی پڑھ ڈال، جسے پڑھ کر عجیب سی کیفیت بن گئی۔ دل سے اٹھتی ٹیسوں نے آنکھوں میں مرچیں سی بھر دیں۔ آنکھیں ڈبڈباسی گئیں، جنہیں جھپک جھپک کر بمشکل بہنے سے روکا۔ (بنت درخواستی۔خان پور)

ج: آنسوؤں کو بہنے دینا چاہیے۔ اس وقت دعا بھی کرنی چاہیے۔

۞ 'الف نمبر' مل، اپڑھتے رہے اور دل ودماغ اثر قبول کرتے گئے اور ساتھ ساتھ ذہن میں تبصرہ بھی جاری تھا کہ بس رسالہ ایک طرف رکھیں اور آپ کی کاوشوں کو سراہیں ہر اگلی سطر پر اگلا مضمون اور ہر اگلی کہانی ہمیں لکھنے پر مجبور کرتی رہی اور ہم نے الف نمبر مکمل کرلیا۔ بس قلم اٹھانے کی نوبت نہ آئی اور آج جب فرصت ملی ہے تو بہت دیر ہوچکی ہے مگر پھر بھی کسی امید پر لکھنا شروع کرہی دیا۔ تمام رسالہ ہی قابل ستائش ہے مگر وہی اول، دوم کی دوڑ تو 'اجنبی' واقعی ہم پڑھتے جاتے تھے اور آنکھیں روتی جاتی تھیں۔ عشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لبریز کہانی ایمان تازہ کرگئی۔ ادبی لحاظ سے بھی مصنفہ نے کہانی کا انجام بہت خوب صورتی سے تشکیل دیا۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان بہنوں کو دین پر چلنے کی پوری توفیق دے آمین۔ مزاح کے خانے میں نائلہ گوہر کی 'ڈوئی سائنس' برجستگی اور بے ساختگی میں سب سے نمبر لے گئی۔ فارمولا مزاح سے ہٹ کر حقیقی مزاح کا مزا دیتی تحریر پڑھتے رہے اور ہنستے رہے۔

'وہ خط جوان کے ہاتھ سے' سچی آپ بیتی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا درس دیتی بہت پر اثر تحریر۔ آزمائش کے بعد آزمائش مگر وہ اللہ کے بندے ثابت قدم رہے، خصوصاً جب حج کا بلاوا نہ آیا تو بڑے بڑوں کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں مگر جن سے اللہ تعالیٰ نے دین کا لینا ہو، ان کے حوصلے بھی بلند ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی قبول فرمالے۔ آمین! سارا رسالہ ہم نے یوں پڑھا کہ ٹپ ٹپ آنسو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ کچھ کرداروں پر بہت غصہ آیا، ایک تو بینا صدیقی کی 'ایک سوری' کی ہانیہ کی بے حسی پر کہ حد ہی ہوتی ہے۔ سیما انجم فرید کی 'تم فارغ ہو' کے وہ سب کردار جو سویرا کو فارغ سمجھ کر اپنا کام ایسے کرواتے کہ احسان کررہے ہوں اور تیسرا فوزیہ خلیل کی 'میری بیٹی آگئی' میں عفیفہ کے شوہر پر۔ تھکے ہوئے وجود کے لیے دو میٹھے بول بھی راحت کا سبب بنتے ہیں۔ ساری تھکاوٹ اور دن بھر کی کڑواہٹ کو اپنے ساتھ بہا کرلے جاتے ہیں۔ عورت کے لیے گھر کے کام وبال جان نہیں ہوتے بلکہ اپنوں کے ترش اور تلخ رویے توڑ کر رکھ لیتے ہیں دو میٹھے بول اور ایک مشکور شکریہ آپ سے کیا کچھ نہیں کرواسکتا۔ (ام خدیجہ۔منڈی بہاءالدین)

ج: یقین کیجیے کہ ان کہانیوں کو ایڈٹ کرتے ہوئے ہمیں بھی ان کرداروں پر بہت غصہ آیا تھا، مگر غصے میں انھیں کہانی سے تو نکال نہیں سکتے تھے، سو اسی طرح ایسے کرداروں کو اپنی زندگی اور اپنے گھروں سے نکالا جاسکتا ہے! سو بس ہدایت کی دعا ہی کی جاسکتی ہے۔

۞ خواتین کے دینی مسائل سے ہمیں بہت بہت فائدے ہوتے ہیں۔ گھر بیٹھے ہمیں بہت سارے مسائل سے اور ان حل سے آگاہی ہوجاتی ہے۔ 'آئینہ گفتار' میں مدیر بھائی آپ نے بہت بہت ہنسایا۔ ویسے ہم نے بہت بار اس موضوع پر سوچا ہے اور ہر بار نہایت غور وخوض کیا ہے۔ سچی کہانی 'سوتیلی' بہت زبردست تھی جسے پڑھتے ہوئے اور پڑھنے کے بعد بھی کافی اداس رہے۔ اللہ اتنا ظلم! جب ہی تو اللہ کا قہر اور عذاب آتے ہیں۔ 'چمنِ خیال' میں بھی سب کے سب اشعار بہت اچھے لگے۔ بنتِ شکیل نے 'سامان' میں بالکل ٹھیک ٹھیک حقیقت بیان کی آخری والی لائن خاص طور پر دو تین مرتبہ پڑھی اور یہ بالکل سچی بات لگی۔ محمد سلیم نے بھی اچھا لکھا یہ بیماری بھی ہم سب میں ہے تقریباً۔ 'اگر' میں بھی بہت زبردست اشعار تھے۔ 'ہماری حیثیت' بنت سطور کی یہ تحریر ہمیں اپنے ماضی میں لے گئی۔ اگرچہ ہمارے خاندان میں سب سے چھوٹے بچے کے اتنے زیادہ لاڈ نہیں اٹھائے جاتے۔ آج ہم چاروں بہنیں اپنی شادی شدہ زندگی میں مصروف ہیں الحمدللہ! یہ یادیں کبھی ہمیں چڑ چڑا، کبھی اداس اور کبھی آنکھوں میں آنسو لے آتی ہیں۔ پاکیزہ جماعت میں پاکیزہ باتیں لکھی تھیں۔ اقوالِ زریں بھی سارے اچھے تھے۔ 'کھاؤ پیو' میں بہت تکلیف دہ باتیں لکھی تھیں۔ بنت سید مقصود الحسن کی آخری بات بھی سچ تھی، بالکل کہیں کہیں ایسا ہی ہوتا ہے اور ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ 'ترقی معکوس' میں بہت خطرناک منظر کشی کی گئی ہے۔ 'کفارہ' بس ٹھیک تھی۔ معذرت کے ساتھ 'سہارا' ہم نے نہیں پڑھا۔

(اہلیہ ہاشم۔ناظم آباد)

ج: اس میں معذرت کی کیا بات ہے، ہر تحریر ہر ایک کے لیے نہیں ہوتی۔

۞ سب شہر والوں کی تحریریں اور خطوط پڑھ کر خوشی تو ہوتی ہے لیکن نہ جانے کیوں اپنے شہر کا نام پڑھ کر انجانی سی خوشی ہوتی ہے اور چپکے سے لکھنے والے کو داد دے دیتے ہیں اور دعاؤں کا حصار باندھ دیتے ہیں۔ ویسے یہ دعائیں تو سبھی کا حق ہیں۔ اللہ سوہنا سبھی کو اپنی رحمتوں اور حفاظت کے حصار میں رکھے۔ تو جناب سرورق بہت پیارا لگا۔ القرآن الحدیث سے فیض یاب ہوتے ہوئے 'خواتین کے دینی مسائل' سے مستفید ہوئے۔ 'آئینہ گفتار' میں خوش خبری پڑھی، دل خوش ہوگیا اور کچھ لکھنے کے لیے پر تولنے لگے۔ 'یادیں مکہ

قیام کی' پیاری یادیں ہیں۔ ہمیں بھی اپنے حج وعمرہ کے سفر یاد آ گئے۔ بہن جی کے لکھنے کا انداز بہت بھایا۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ 'نفل اور دعا' اللہ سے مانگنے کی ترغیب سکھاتی تحریر۔ اللہ سوہنا ہمیں اپنا قرب عطا فرمائے۔ چمن خیال اچھا انتخاب۔ 'برکت' تحریر بہت پسند آئی۔ برکت کا راز سمجھانے پر بہت شکریہ بہن جی۔ (ع،م۔ چنیوٹ)

ج: اور آپ کا اتنی مصروفیت میں وقت نکال کر تبصرہ کرنے کا بہت شکریہ۔ آپ کی مصروفیات کا اچھی طرح اندازہ ہے۔

۞ باجی عامرہ احسان کی 'متاعِ بے بہا' ہمارے ابوجان کو بہت پسند آئی۔ ابوجان ہمیں ان کی تحریریں پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ دوسرے بہن بھائی نہیں پڑھتے کہ گاڑھی اردو ان کے سر پر سے گزر جاتی ہے۔ پہلے پہل ہم ان کے سارے کالم پڑھتے تھے۔ اب کوئی اکا دکا پڑھ لیتے ہیں۔ اللہ ان کے قلم میں برکت دے آمین۔ قانتہ رابعہ کی 'کیوں جی؟' پڑھ کر رشک آیا۔ ایسے سسرال کہانیوں میں ملتے ہیں یا بہت خوش قسمت لوگوں کا نصیب۔ 'یہ شکوے اپنوں کے' حقیقت کے قریب تر تحریر تھی۔ بہت اچھا لکھا از وجہ عبدالوحید شہزادہ صاحبہ نے۔ بزم خواتین میں خواتین کی بزم پوری آب و تاب سے قائم تھی۔ سب سے طویل جواب آپ نے حقریٰ یعنی بنت شکیل اختر کے خط کا دیا۔

(انیس عائش۔ کوٹ رادھا کشن)

ج: اب اکا دکا کیوں پڑھتی ہیں؟ کالم کی بات الگ، میگزین کی تحریریں تو ہلکی پھلکی اردو میں ہوتی ہیں۔

۞ شمارہ ۱۰۲۴ میں سب سے پہلے 'قرآن وحدیث' اور 'خواتین کے دینی مسائل' سے مستفید ہوئے۔ پھر 'آئینہ گفتار' میں 'نیا سال اور محاسبہ' نے اپنے گریبان میں جھانکنے پر ابھارا کہ کیا کھویا کیا پایا؟ 'بڑھاپا' نے معاشرے کی حقیقت بتادی کہ ساٹھ سالہ بھی آج کل خود کو بوڑھا کہلانے کے لیے تیار نہیں، خصوصاً صنف نازک تو بالکل بھی نہیں۔ 'مکڑی اور چیونٹی' نے اہم سبق دیا۔ 'مقتل کی داستان کا عنوان زندگی' رسالے کی جان رہی۔ مولانا محمد اسلم شیخوپوریؒ سے ہمیں بھی خاص مناسبت ہے، کیونکہ ہمارے استاد مولانا مفتی محمد معاویہ دامت برکاتہم نے تفسیر میں انہی کے خلاصۃ القرآن پڑھائے اور یاد کرائے ہیں۔ اللہ ہمارے شہیدوں کی شہادت کو قبول فرماتے ہوئے باطل کو غارت کردے۔

(ع، زام رمیصاء۔ پشاور)

ج: آمین ثم آمین۔

۞ القرآن الحدیث پڑھا۔ 'شکر گزاری' رشتوں کی اہمیت اجاگر کرتی ایک بہترین کاوش ہے۔ 'چھٹی کا دن' اور 'محکمہ خریداری' دو متضاد تحریریں ایک ہی رسالے میں ٹکرا رہی تھیں۔ 'نام میں کیا رکھا ہے؟' ایک پرلطف کہانی لگی جس نے مسکراہٹ کے پھول بکھیرنے پر مجبور کردیا۔ 'قدم سوئے مرقد نظر سوئے دنیا' ایک سنجیدہ مگر فکر انگیز کہانی ہے۔ آپ کا بہت شکریہ کہ ہمیں ایک بہترین رسالہ مطالعے کے لیے ملا۔ تمام تحریریں ماشاء اللہ بہتر ہیں۔ (عائشہ انجم۔ ملتان)

ج: ہمیں مگر خوب غور کرنے کے باوجود ان تحریروں میں کوئی تضاد نظر نہیں آیا۔ آپ کچھ وضاحت کردیتیں تو اچھا رہتا۔

۞ اس ہفتے کا رسالہ ہمارے لیے خوشیوں کی نوید لے کے آیا۔ ہمیں تو تین بار دیکھنے سے بھی اپنا خط نظر نہ آیا تھا مگر عصر کے وقت جیسے ہی رسالہ اٹھایا، اچانک اپنے نام کی طرف نگاہ پڑی۔ خوشی کے مارے اچھل پڑی اور بھاگی بہن کو بتانے۔ اسے پہلے یقین نہیں آیا کہ وہ بھی پہلے دیکھ چکی تھی، پھر جب اس نے دیکھ لیا تو وہ بھی خوشی کے مارے بے ہوش ہونے کے قریب ہوگئی۔ وجہ یہ تھی کہ اس کے ایک ہفتے میں دو خط آئے تھے۔ مدیر چاچو کسی مسلمان کو خوش کرنا نیکی ہے، جس جس کا خط شائع ہوتا ہوگا ان کو تو ایسی ہی خوشی ہوتی ہوگی جیسے ہمیں ہوئی ہے۔ (حورعینا بنت محمد الیاس، ثانیہ بنت محمد احمد۔ ٹھل نجیب)

ج: جی خوشی تو ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان خوشیوں کا سایہ زندگی کے ہر دن پر پھیلا دے، آمین! ویسے یہ شمارہ بھی عصر کے وقت دیکھیے گا۔

۞ ایک تحفہ ارسال ہے 'خواتین کا اسلام' کے لیے۔ میں (عرفان راجپوت) بھائی ابوالحسن کے ساتھ ہی ہوں ایک جھوٹے کیس میں۔ وہی ابوالحسن بھائی جنھوں نے میرا سوہنا شہر میانوالی لکھا ہے۔ یہ تحریر میں نے خود لکھی ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے۔ آپ کا اخبار اسلام، بچوں کا اسلام اور خواتین کا اسلام ہم یہاں خاموشی سے پڑھتے ہیں سینٹرل جیل حیدر آباد میں، پھر گھر بھیج دیتے ہیں، وہاں پر گھر والے پڑھتے ہیں۔ یہ تحریر 'دورِ جدید میں خواتین کی ذمے داریاں' میں نے اپنی نانی محترمہ سعیدہ بیگم مرحومہ کو ایصالِ ثواب کی تھی۔ خاندان میں بانٹ کر اس کی کاپیاں اور دوستوں کو سینٹرل جیل حیدر آباد میں دے کر۔ پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ میری نانی مرحومہ، میری والدہ اور میں حرم پاک کعبۃ اللہ میں ہیں اور فجر کی نماز ہونے لگی ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تحریر قبول کرلی اور اس کا ثواب بھی محترمہ نانی صاحبہ مرحومہ کو پہنچا دیا جو کہ خود بھی نیک اور تہجد گزار خاتون تھیں۔ 2020ء میں تہجد کے وقت ہی تسبیح کرتے ہوئے انتقال ہوا۔ بھائی ابوالحسن صاحب کراچی میں ہیں سینٹرل جیل جبکہ مجھے یہاں 2017ء میں بھیج دیا تھا حکومت نے۔ الف نمبر خواتین کا اسلام بہت اچھا تھا، خصوصاً 'اجنبی'، کیا کرتی ہو، ہمسفر یادیں تیری، آپا عامرہ احسان صاحبہ کا پورا انٹرویو۔ ہم آپا کے لیے دعا گو رہتے ہیں۔ (عرفان۔ سینٹرل جیل، حیدر آباد)

ج: اللہ تعالیٰ آپ کو اور تمام بے قصور مسلمانوں کو قید سے باعزت بری فرمائے، آمین۔

☆☆☆

حرام!

اثر جونپوری

جیسے منکوحہ سے نفرت ہے حرام
غیر محرم سے محبت ہے حرام
جبر دھوکا جھوٹ سے حاصل ہو گر
ایسا پیسہ ایسی دولت ہے حرام
سود خوری جس طرح فعلِ شنیع
سود خوروں پر بھی جنت ہے حرام
جانتے ہیں مبتلا بھی مسئلہ
مانتے ہیں سب ہی رشوت ہے حرام
جس کا مقصد ہو فقط ذاتی مفاد
سچ یہ ہے ایسی سیاست ہے حرام
زجر معصوموں پہ جیسے ظلم ہے
مجرموں سے بھی رعایت ہے حرام
جس میں آمیزش ہو کبر و عجب کی
وہ خودی ایسی متانت ہے حرام
کافروں سے دوستی جیسے گناہ
اہلِ ایماں سے عداوت ہے حرام
جب اثر ہے نیند سے بہتر نماز
اس گھڑی میں استراحت ہے حرام